مطبوعات

کریسنٹ فروغ اردو نمبر اسلامیہ کالج لاہور کے چند حساس اور علم دوست مسلم طلبہ نے ادب اردو کی خدمت کرنے کے لیے "بزم فروغ اردو" کے نام سے ایک مجلس قائم کر رکھی ہے جس کے اجلاسوں میں وہ تیاری کر کے اپنے مقالات پڑھتے ہیں۔ اس وقت ہمارے سامنے ان کے سال بھر کے مقالات کا تیسرا مجموعہ ہے، جس کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں، موجودہ زہریلی فضا اور ناقص تربیت کے باوجود، ایسے سلیم مذاق اور بلند نظر رکھنے والے افراد موجود ہیں جو اپنی "علمی خودی" کا احساس رکھتے ہیں اور بلند پایہ اور ٹھوس علمی مضامین لکھنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ اس نمبر میں متعدد مقالات ایسے ہیں جنھیں دیکھ کر مقالہ نگاروں کے شاندار مستقبل کے بارے میں پر اُمید پیش گوئیاں کی جاسکتی ہیں۔ ارکان بزم او رمرتبین رسالہ اپنی اس کامیاب کوشش پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ امید ہے کہ دوسرے طلبہ بھی ان کے عمل سے سبق لیں گے۔

جوہر اقبال مرتبہ محمدؐ حسنین سید صاحب متعلم بی۔ اے۔ ناشر مکتبہ جامعہ دہلی۔ ضخامت سوا دو سو صفحات۔

"انجمن اتحاد" نے، جو جامعہ ملیہ دہلی کے طلبہ کی ایک انجمن ہے، علامہ اقبال مرحوم کی یادگار میں "جوہر" کا یہ شمارہ خصوصی نکالا ہے۔ جو ظاہری اور معنوی ہر طرح کی خوبیوں سے مزین ہے ابتدا میں مشاہیر ملک کے بیانات درج ہیں۔ اس کے بعد مقالات اور نظموں کا سلسلہ

اور نظموں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ مقالہ نگاروں میں متعلمین جامعہ کے علاوہ وقت کے بہت سے مشہور اہل قلم بھی شامل ہیں۔ یہ مجموعہ اپنی جامعیت کے لحاظ سے "اقبال" پر گویا ایک مکمل تبصرہ ہے جس میں مختلف ارباب قلم نے اس کی تعلیم نیز اس کی سیرت کا ایک ایک رخ نمایاں کر دیا ہے۔ اقبال کو سمجھنے کے لیے یہ مجموعہ ناظرین کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

اقبال کے متعلق نیم پختہ دماغوں میں ایک عجیب غلط فہمی پیدا ہو گئی ہے۔ اکثر مضامین ایسے دیکھنے میں آتے رہتے ہیں ——— اور اس مجموعہ میں بھی ایسے خیالات جھلکتے دکھائی دے رہے ہیں ——— کہ اقبال کو ملی شاعر یا شاعر اسلام کہنا غلط ہے، وہ شاعرِ انسانیت تھا اور اس کی وسعت نگاہ اور فراخیٔ دل کسی خاص شرع یا مذہب کے تنگ حلقہ کی اسیری قبول نہیں کر سکتی تھی۔ اس خیال کے ظاہر کرنے والے یا تو اسلام کو نہیں سمجھتے یا پھر وہ اقبال ہی کو نہیں سمجھتے۔ اقبال یقیناً شاعرِ انسانیت تھا لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام بھی مذہب انسانیت ہی ہے۔ جس طرح رنگ، نسل، وطن اور قوم کی مادّی قیود سے اس کی نظر آزاد اسی طرح اُس کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کو یہ وسعتِ نگاہ اور فراخیٔ قلب خود اسلام ہی کے طفیل ملی اور اسے اس کا اعتراف ہے۔

نیا ادب | مرتبہ سبط حسن صاحب۔ ضخامت ۷۰ صفحات، شرح چندہ تین روپیہ سالانہ ملنے کا پتہ:۔ دفتر رسالہ "نیا ادب" نظیر آباد۔ لکھنؤ۔

یہ ایک ادبی رسالہ ہے جو "ترقی پسند مصنفین" کی ادارت اور سرپرستی میں شائع ہوتا ہے۔ مضامین زیادہ تر انقلابی افسانوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن میں ضروریات زندگی سے متعلق بحث ہوتی ہے اور موجودہ نظام معیشت و معاشرت کے خلاف باغیانہ احتجاج کیا جاتا ہے۔ رسالہ کی زبان بھی سلیس اور سادہ ہوتی ہے اور غالباً انھیں دونوں وجوہ

کی بنا پر اس کا نام "نیا ادب" رکھا گیا ہے۔

"ترقی پسند مصنفین" کی اصطلاح کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ ایک مخصوص بولی میں ترقی پسند مصنف وہ کہلاتا ہے جو کمیونسٹ خیالات و نظریات کا قائل و ترجمان ہو، دنیا کے ہر مسئلہ پر، پیٹ کے مسئلہ کو مرکز مان کر رائے زنی کرے، اور ہر گفتگو کی ابتدا مزدور اور کسان کے لفظ سے کرے۔ اس میں شبہ نہیں کہ موجودہ معاشرتی خرابیوں اور معاشی بے انصافیوں کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے، نیز ادب کو زندگی کا ترجمان اور خادم ہونا چاہیے مگر بھولنا نہ چاہیے کہ ہر حرکت کے لیے ایک مخصوص حد ہوتی ہے جب وہ اس حد سے آگے قدم رکھے گی تو خیر کے بجا شر بن جائے گی۔ انقلاب کا خیر مقدم کرنا چاہیے مگر اس کی تخریبی فطرت کا لحاظ رکھ کر۔

تاریخ اخلاق اسلامی حصہ اول تالیف مولانا عبدالسلام ندوی۔ ضخامت ۴۷۲ صفحات۔ قیمت عہ دار المصنفین۔ اعظم گڑھ۔

دار المصنفین نے علوم اسلامی کی جو زرین خدمات گذشتہ ۲۰ سال میں انجام دی ہیں، ان میں ایک تازہ اضافہ اس کتاب کی تالیف و اشاعت بھی ہے۔ اسلامی اخلاق کی کوئی مرتب تاریخ اب تک غالباً خود عربی زبان میں بھی نہیں لکھی گئی۔ یہ پہلا قدم ہے جو اس راہ میں اٹھایا گیا ہے، اور اردو زبان خوش قسمت ہے کہ اس کے ادب میں ایسی ایک بیش قیمت چیز کا اضافہ ہوا۔

زیر تبصرہ کتاب اس سلسلہ کی صرف پہلی جلد ہے جس میں عرب جاہلیت اور روم و عجم کے اخلاقیات کو مختصراً بیان کرنے کے بعد قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کو تفصیل کیساتھ مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان تعلیمات کا اہل عرب کی زندگی پر کیا اثر ہوا۔ فاضل مولف نے اپنے مقدمہ میں ارادہ ظاہر کیا ہے کہ بعد کی جلدوں میں

وہ خلافت راشدہ، بنی امیہ، بنی عباس اور بعد کے زمانوں کی اخلاقی تاریخ بھی اسی طرز پر مرتب کرینگے۔

چونکہ یہ اس راہ میں پہلی کوشش ہے اس لیے اس میں کوتاہیوں کا پایا جانا کوئی قابلِ تعجب بات نہیں۔ ابتدائی کوششیں عموماً ناقص ہی ہوتی ہیں۔ ان کی اصلی خدمت یہی ہوتی ہے کہ ان سے بعد کے کام کرنے والوں کے لیے راستہ صاف ہو جاتا ہے اور بہت سا خام مواد وہ بعد کے معماروں کے لیے فراہم کردیتی ہیں۔ اس لحاظ سے ہم اس کتاب کی قدر کرتے ہیں، لیکن ساتھ ہی اس کی بعض نمایاں کمزوریوں کی طرف اشارہ بھی کردیتے ہیں۔

اس کتاب کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولف کے سامنے اپنے موضوع کا کوئی صحیح تصور موجود نہیں ہے بلکہ مختلف قسم کے مبہم تصورات ان کے ذہن میں باہم مختلط ہوگئے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے دیباچہ میں بیان کیا ہے، ان کو لیکی کی تاریخ اخلاق یورپ دیکھ کر تاریخ اخلاق اسلامی لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ اسی چیز نے دراصل ان کی غلط رہنمائی کی ہے۔ انہوں نے خیال کیا کہ ان کا کام بھی لیکی کے کام سے ملتا جلتا ہے۔ اُس نے یورپین اقوام کے اخلاقیات کی تاریخ لکھی ہے۔ یہ اس کے جواب میں مسلمان نامی ایک قوم کے اخلاق کی تاریخ لکھ دیں۔ حالانکہ دونوں کے موضوع اصولی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لیکی کے سامنے ایک خاص سرزمین کے باشندے تھے، اور اسے یہ بتانا تھا کہ ان لوگوں کی زندگی پر مختلف اخلاقی فلسفوں نے کیا اثرات ڈالے۔ بخلاف اس کے تاریخ اخلاق اسلامی لکھنے والے کے سامنے کوئی قوم نہیں ہے بلکہ اس کے سامنے دراصل تعمیر انسانیت کی ایک تحریک ہے جو اپنے مخصوص اخلاقی فلسفہ پر ایک نظام تہذیب کی بنیاد اٹھانا چاہتی ہے، لہٰذا اس کو سب سے پہلے اس تحریک کی اخلاقی روح، اس کا فلسفہ، اور اسکے اصول پیش کرنے چاہئیں تاکہ ناظر کے سامنے اس کی پوری تصویر آجائے، پھر یہ بتانا چاہیے کہ جن لوگوں نے اس تحریک کو قبول کیا انکی زندگی کا نقشہ اس نے کس طرح بنایا، اپنے اصولوں کو زندگی کے جزئی و تفصیلی معاملات میں کس

طرح جاری کیا، اور اس وقت کے ذہنی، تمدنی، معاشی اور سیاسی حالات میں اپنی روح کو کن کن طریقوں سے داخل کیا۔ اس کے بعد اسے یہ دکھانا چاہیے کہ اس تحریک کے زیر اثر آنیوالے لوگ، جو اسی حیثیت سے مسلمان کہلاتے ہیں، تاریخ کے دوران میں کن کن تغیرات سے گذرے ہیں۔ اُن کی زندگی جو ابتداءً بالکلیہ اس تحریک کی مظہر تھی، بعد کے ادوار میں کس طرح اور کس تدریج کے ساتھ دوسرے اخلاقی تصورات سے متاثر ہوتی رہی، اور اس مرکب زندگی میں اسلامی اثر اور غیر اسلامی اثرات کے مظاہر کس طرح ایک دوسرے سے ممیز ہوتے ہیں۔ غرض یہ کہ تاریخ اخلاق اسلامی کے مصنف کو دراصل ایک تحریک کی تاریخ لکھنی ہے، نہ کہ ایک قوم کی۔ اگر اسکا موضوع یہ نہیں ہے تو اسے اپنی کتاب کا نام بدل کر تاریخ اخلاق مسلمین رکھنا چاہیے۔

اپنے موضوع کا واضح تصور سامنے نہ رکھنے ہی کی وجہ سے مولف نے کتاب کا آغاز اخلاقِ عرب قبل اسلام کے ذکر سے کیا ہے، اور ضمناً روم و ایران کی اخلاقی حالت بیان کر کے قرآن کی اخلاقی ہدایات مفصلاً نقل کرنی شروع کر دی ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھ لیتے کہ انہیں دراصل ایک تحریک کی تاریخ لکھنی ہے تو وہ اُن مختلف اخلاقی فلسفوں اور اخلاقی تصورات پر اصولی بحث کرتے جو دنیا میں اس وقت پائے جاتے تھے، اور یہ بتاتے کہ اسلامی تحریک اپنی اسپرٹ، اپنے تصورِ اخلاق، اور اپنے اصول میں اُن سے کس طرح ممیز ہوتی ہے، اور ہر ایک کے عملی مظاہر کس طرح ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اسی ملتی جلتی غلطی یہ بھی ہے کہ اسلام کے اصول اخلاق اور اسکی تعلیمات کے مقابل میں محض عرب جاہلیت یا روم و ایران کی اس عملی حالت کو پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا جو ظہورِ تحریک اسلامی کے وقت پائی جاتی تھی۔ اس کا فائدہ صرف اتنا ہی ہے کہ پڑھنے والے کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جب اسلام ظاہر ہوا تو لوگوں کی کیا حالت تھی اور اسلام نے انہیں کیا بنا دیا۔ مگر اصلی تقابل اصول کا اصول سے، تصورات کا تصورات سے اور فلسفہ کا فلسفہ سے ہے نہ کہ عام لوگوں کی عملی حالت سے۔ لہٰذا ایک تحریک کی تاریخ لکھنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ان اخلاقی معیارات کو مقابلہ میں پیش کرے جن پر اس تحریک کے ظہور کے وقت عوام اور خواص بحیثیت مجموعی اعتقاد رکھتے تھے۔

اس کتاب کی یہ چند بنیادی کمزوریاں اس لیے بیان کر دی گئی ہیں کہ جناب مؤلف خود، یا انکے بعد جو لوگ آئندہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں وہ ان کا لحاظ رکھیں۔ اور اہل بصیرت ناظرین اس کا مطالعہ ایسی توقعات کیساتھ نہ کریں جنہیں یہ کتاب پورا نہیں کر سکتی۔ لیکن ان کمزوریوں کے باوجود اس میں ایسا مواد موجود ہے کہ جو شخص انصاف کی نظر سے اسکو دیکھے گا اس کے دل پر اسلامی اخلاق کی بزرگی، جامعیت، اور شانِ توازن و اعتدال کا نقش مرتسم ہو جائیگا۔

الجہاد فی الاسلام

دور جدید میں یورپ نے اپنی سیاسی اغراض کیلیے اسلام پر جو بہتان تراشے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے۔ اور اپنے پیرووں کو خونریزی کی تعلیم دیتا ہے، اس بہتان کی اگر کچھ حقیقت ہوتی تو قدرتی طور پر اسے اس وقت پیش ہونا چاہیے تھا۔ جبکہ پیروانِ اسلام کی شمشیرِ خارا شگاف نے کرۂ زمین میں ایک تہلکہ برپا کر رکھا تھا۔ اور فی الواقع دنیا کو یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید ان کے یہ فاتحانہ اقدامات کسی خونریز تعلیم کا نتیجہ ہوں۔ مگر عجیب بات ہے کہ اس بہتان کی پیدائش آفتاب عروجِ اسلام کے غروب ہونے کے بہت عرصہ بعد عمل میں آئی۔ اور اسکے خیالی پتلے میں اس وقت روح پھونکی گئی جبکہ اسلام کی تلوار تو زنگ کھا چکی تھی۔ مگر خود اسکے موجد یورپ کی تلوار بیگناہوں کے خون سے سرخ ہو رہی تھی۔ اور اس نے دنیا کی کمزور قوموں کو اس طرح نگلنا شروع کر دیا تھا جیسے کوئی اژدھا چھوٹے چھوٹے جانوروں کو ڈستا اور نگلتا ہو۔ اگر دنیا میں عقل ہوتی۔ تو وہ سوال کرتی کہ جو لوگ خود امن و امان کے سب سے بڑے دشمن ہوں، جنھوں نے خود خون بہا بہا کر زمین کے چہرہ کو رنگین کر دیا ہو اور جو خود قوموں کے چین و آرام پر ڈاکے ڈال رہے ہوں، انہیں کیا حق ہے کہ اسلام پر وہ الزام عائد کریں جسکی فردِ جرم خود ان پر لگنی چاہیے؟ کیا اس تمام مورخانہ تحقیق و تفتیش اور عالمانہ بحث و اکتشاف سے انکا یہ منشا تو نہیں کہ دنیا کی اس نفرت و نارضی کے سیلاب کا رخ اسلام کیطرف پھیر دیں۔ جسکی خود انکی اپنی خونریزیوں کے خلاف امنڈ کر آنیکا اندیشہ ہے؟ لیکن انسان کی یہ کچھ فطری کمزوری ہے کہ وہ جب میدان میں مغلوب ہوتا ہے تو مدرسہ میں بھی مغلوب ہو جاتا ہے۔ جسکی تلوار سے شکست کھاتا ہے اس کے قلم کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، اور اسی لیے ہر عہد میں دنیا پر انہی افکار و آرا کا غلبہ رہتا ہے جو تلوار بند ہاتھوں کے قلم سے پیش کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ میں بھی دنیا کی آنکھوں پر پردہ ڈالنے میں یورپ کو پوری کامیابی ہوئی۔ اور غلامانہ ذہنیت رکھنے والی قوموں نے اسلامی جہاد کے متعلق اس کے پیش کردہ نظریہ کو بلا ادنیٰ تحقیق و تفحص اور بلا ادنیٰ غور و خوض اس طرح قبول کر لیا کہ کسی آسمانی وحی کو بھی اس طرح قبول نہ کیا ہوگا۔

پس اگر آپ اسلامی جہاد کی حقیقت اور اسکے متعلقہ مسائل سے کماحقہٗ واقف ہونا چاہتے ہیں تو الجہاد فی الاسلام کا مطالعہ فرمایئے۔ اسلامی لٹریچر میں اس موضوع پر شروع اسلام سے اب تک اس پایہ کی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔

ضخامت ۵۰۰ صفحات قیمت بے جلد چار روپے مجلد پانچ روپے۔

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجئے۔